Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:3، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

کشور ناہید بطور کالم نگار

Kishwar Naheed as a Columnist

Dr. Shafqat Zahoor
Lecturer Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
shafqat.zahoor@uos.edu.pk

Dr. Kashif Ur Rehman Shah
Lecturer Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
kashif.urrehman@uos.edu.pk

Dr. Suhail Abbas
Professor Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
suhail.abbas@uos.edu.pk

ڈاکٹر شفقت ظہور
لیکچرار شعبہ اردو زبان و ادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا

ڈاکٹر کاشف الرحمان شاہ
لیکچرار شعبہ اردو زبان و ادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا

ڈاکٹر سہیل عباس
پروفیسر شعبہ اردو زبان و ادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا

Abstract

It is not possible to deny the importance of Journalism in every language of the world. Newspapers, Magazines and Journals played a fundamental role in making people aware. Kishwar Naheed is also among those writers who have rendered extraordinary services in poetry and prose. The Author's columns can also be considered extremely important, like her other writings. The Literary, Political, Social, and cultural history of Pakistan and the sub-continent is scattered on the pages of the columns written by the author. Kishwar Naheed raised social awareness in society through column writing. The Author also raised her voice against anti-human attitudes around the world. Kishwar Naheed has a unique identity among the leading feminist voices in Pakistani literature. She is associated with women's rights movements. Several of Kishwar Naheed's poems are chanted as slogans in women's liberation movements. Kishwar Naheed's pen remains active against oppression and injustice in Africa, America, and Asian Countries. The author keeps a close eye on the study of revolutionary literature from around the world. Topics like liberty, unemployment, unrest, injustice, violence against children and women, terrorism, etc., are the focus of the author's columns. Kishwar Naheed holds a unique place and status in world literature thanks to her writings. This article deals with her columns and determines their literary value.

Keywords: *Kishwar Naheed, Columns, Literary and Political History of Pakistan, Social Issues, Child Protection, Women Empowerment, Hope for Peace, Feminism, Progressive, Revolutionary History*

کلیدی الفاظ: کشور ناہید، کالم، پاکستان کی ادبی اور سیاسی تاریخ، سماجی مسائل، بچوں کا تحفظ، خواتین کو بااختیار بنانا، امن کی امید، تانیثیت، ترقی پسند، انقلابی تاریخ

اردو صحافت کے آغاز و ارتقا کا جائزہ لیا جائے تو کالم نویسی کا آغاز مزاحیہ نوعیت کے کالموں سے ہوتا ہے۔ اردو کے برعکس انگریزی صحافت میں زرد صحافت کا بول بالا تھا، وہیں کالموں کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ اردو صحافت ہندوستان میں شخصی صحافت کی وجہ سے پروان چڑھی۔

تقسیمِ ہند کے بعد شخصی صحافت کے رجحان میں کمی واقع ہوئی، تاہم شخصی صحافت قیامِ پاکستان سے قبل اردو صحافت پر راج کرتی رہی۔ پاکستان بننے کے بعد صحافت نے عوام الناس کے لیے نئے اُفق وا کیے۔ شخصی صحافت عام لکھاریوں کی رائے کا احترام نہیں کرتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد صحافت کے میدان میں ترقی نے ثابت کر دیا کہ مزاحیہ نوعیت کے موضوعات سے بڑھ کر انسانی زندگی کو درپیش مسائل پر کھل کر اظہارِ خیال کیا جانا چاہیے۔

اس ضمن میں سرکاری و نیم سرکاری اداروں نے اخبارات و رسائل جاری کرنے کا سلسلہ شروع کیا، جس سے اردو زبان و ادب نئے ذائقے سے روشناس ہوا۔ لاتعداد نئے لکھنے والے سامنے آئے۔ کالم نویسی چوں کہ کالم نویس کی ذاتی رائے کا چربہ ہوتی ہے اسی لیے ان کالموں کے تجزیاتی مطالعے سے مصنف کی ذاتی آرا اور خیالات کی فکر بلندی تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

کشور ناہید کا شمار ایسے ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔ بحیثیت شاعرہ مصنفہ نے ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل کی۔ بعد ازاں کئی سرکاری عہدوں پر براجمان رہتے ہوئے ادب اور ادب سے وابستہ لوگوں سے وابستہ رہ کر زندگی بسر کی۔ کشور ناہید نے ملازمت سے قبل از ریٹائرمنٹ استعفیٰ دیا اور روزنامہ جنگ اخبار سے کالم لکھنے کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر شاہین مفتی لکھتی ہیں:

> "کشور نے اپنی صحافت کا آغاز "فرنٹیئر پوسٹ" انگریزی اخبار میں کالم نگاری سے کیا۔ یہ معاملہ 1980 سے 1989 تک جاری رہا۔ 1990 سے کشور ناہید نے روزنامہ جنگ میں کالم لکھنے کا آغاز کیا۔"[1]

کشور ناہید پاکستانی کی ادبی، تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی صورتِ حال پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ مصنفہ تعلیم کو پاکستان کی ترقی و خوش حالی کے لیے لازم و ملزوم قرار دیتی ہیں۔ وہ تمام طبقات کی تعلیمی اور صحت کی ضروریات کی فراہمی کی حکومت کو تلقین کرتی ہے۔ اپنی تصانیف سے مصنفہ نے صنفی شعور اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ عورت کے بغیر ترقی کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ خواتین پڑھی لکھی ہوں گی تو نئی نسل کی عمدہ انداز سے تربیت کرنے کے قابل ہوں گی۔ ناہید نے کالم نویسی کے میدان کو اسی لیے چُنا کہ وہ معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں پر کھل کر تنقید کر سکے۔ سرکاری ملازمت کے دوران بھی مصنفہ نے نظم و نثر میں مزاحمت پیش کی تاہم، ایسی حد بندیوں کی وجہ سے متعدد بار ملازمت سے او ایس ڈی تعیناتی نے انھیں استعفیٰ دینے پر مجبور کیا۔ مصنفہ کے جملہ کالموں کی کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	کتاب کا نام	ادارہ	سنِ اشاعت
1	دُکانِ متاعِ وہُنر	دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد	1999
2	ورق ورق آئینہ	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	2006
3	زخم برداشتہ: پاکستان کہانی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	2010
4	گمشدہ یادوں کی واپسی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	2015
5	گستاخی	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	2017
6	ہزار داستان	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	2019
7	بند دروازوں کی چیخیں	سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور	2021

دُکانِ متاعِ ہُنر

ناہید کے کالموں کا پہلا مجموعہ دُکانِ متاعِ ہُنر پہلی بار دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد سے 1999 میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کے ابتدائیہ بعنوان "کالم سے کلام تک" میں مصنفہ لکھتی ہیں:

"ارشاد حقانی نے مجھے جنگ میں کالم لکھنے پر آمادہ کیا۔"[2]

کشور ناہید کے کالموں کا پہلا مجموعہ 288 صفحات کی ضخامت رکھتا ہے۔ چھ ذیلی عنوانات کے تحت کل 90 کالمز اس مجموعے میں درج ہیں۔ جنبشِ لب (7 کالم)، عقدۂ دشوار (26 کالم)، افسوس حاصل کا (9 کالم)، داغِ نہاں (21 کالم)، نیر نگئ نظر (18 کالم) اور سوئے ظن (9 کالم) کے عنوانات کے تحت کالم کتاب میں شامل ہیں۔ کشور ناہید مطالعے کا گہرا شغف رکھتی ہیں۔ ملکی و غیر ملکی ادبی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی صورتِ حال پر مدلل انداز میں خیالات کا اظہار کرنا مصنفہ کے پسندیدہ موضوعات میں شامل ہیں۔

کشور کی نثر کی خوبی یہ ہے کہ وہ غیر ملکی ادیبوں کے متون کے تراجم اپنی تحریروں میں درج کرتی ہیں۔ دنیاے ادب سے ایسے نادر متون تک رسائی مصنفہ کے وسیع مطالعے پر دلالت کرتے ہیں۔ ملکی حالات کے بیانات میں ناہید کی رائے عام آدمی کی زندگیوں کو بہتر بنانے کا درس دیتی ہیں۔ یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کے گھرانوں میں جھانک کر، ان کے مسائل کا سدِباب کرنا اور ان کے ممکنہ حل کرنے کی طرف حکومت کی توجہ دلانا ان کالموں کا خاصا ہے۔ ناہید کی تحریروں میں پستی ہوئی انسانیت کے حق میں واضح بلند ہوتی ہوئی آوازیں موجزن ہیں۔ مصنفہ بچے، عورتیں اور بزرگوں کی ملکی ترقی میں کردار کو بہتر بنانا چاہتی ہے۔ مصنفہ سماجی شعور کے فروغ کو ملکی ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

> "ان پڑھوں کو تعلیم دینے کی تاریخ، چینی انقلاب کے زمانے سے بہت اہم ہوئی۔ ایران کے علاوہ انڈونیشیا اور ملائیشیا میں بھی اس پر بہت عملی کوششیں کی گئیں اور یہ کوششیں ان ملکوں میں 30 فیصد تعلیم یافتہ ہونے کی سطح 80 اور 90 فیصد تعلیم یافتہ تک جا پہنچیں مگر ہمارے یہاں ایوب خاں کی بنیادی جمہوریت کے زمانے سے لے کر آج تک ہر دور حکومت کی اپنی لغت کے مطابق ان پڑھوں کو تعلیم دینے کی ترکیب استعمال اور پالیسی ہونے کے باوجود نتیجہ اگر صفر نہیں تو کوئی حوصلہ افزا بھی نہیں نکلا۔"[3]

کشور ناہید نے محکمہ اطلاعات و نشریات میں ملازمت کے دوران "دیہات سدھار پروگرام" میں شرکت کی۔ لاہور کے مضافات میں آباد خواتین کو آگاہی دلانے کے لیے گاؤں میں خواتین کی تربیت کے کاموں میں حصہ لیا۔ گورنمنٹ نے فیملی پلاننگ سنٹر قائم کیے تاکہ ملک میں بڑھتی ہوئی آبادی کو ممکنہ طور پر روکا جاسکے، تاہم حالات اس کے برعکس ہی رہے۔ فیملی پلاننگ پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ خواتین ہر سال بچہ جنتی ہیں۔ یوں ایک گھر میں ماں باپ کے علاوہ نو، دس بچے ہوتے ہیں۔ باپ مزدوری کرکے ان کا پیٹ پالتا ہے۔ ماں بیچاری گھر کے کاموں اور بچوں کی دیکھ بھال سے فراغت حاصل نہیں کر پاتی۔ ایسے حالات میں والدین بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ مرکوز نہیں کر پاتے۔ ایسے گھرانوں کے بچے سکول نہیں جاسکتے۔ صحت کی سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے کئی بچے بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر وطنِ عزیز پاکستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ ڈالنے کی بجائے بے روزگاری میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ بدامنی، انتشار، راہزنی اور دیگر جرائم میں اضافے سے ملک کی جڑیں کمزور ہو رہی ہیں۔

کشور ناہید کے کالموں کے اس مجموعے میں متنوع موضوعات زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ عالمی سیاست کا منظر نامہ ہو یا ملکی سیاست کا احوال، مصنفہ دلائل کی مدد سے قارئین تک سیاسی شعور اجاگر کرنے میں کوشاں نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں دوسری جنگِ عظیم کا احوال رقم کرتی ہیں کہ مصنفہ

کے بچپن کے دنوں میں دوسری جنگِ عظیم کے حالات کے بعد ہندوستان میں راشن فراہم کیا جاتا ہے۔ ناہید اپنے بچپن کے دن یاد کرتی ہیں کہ کس طرح گھر والے تربیت دے کر بھیجتے تھے کہ دونوں بہن بھائیوں نے الگ کھڑے ہونا ہے تاکہ دونوں کا الگ الگ کلنگ آئل کی بوتل مل سکے۔

بنیادی طور پر ناہید کی دیگر نگارشات کی طرح اس مجموعے میں بھی ماضی کی بازیافت اور مسائل کا تذکرہ ہے پھر ان کا موجودہ دور کے حالات سے موازنہ ہے کہ پہلے کی نسبت صورت حال بدلی یا ویسی کی ویسی ہے۔ احمد فراز نے مردم شماری کے اعداد و شمار کو کتابوں کی اشاعت سے تعبیر کیا۔ ناہید نے کالم میں ان کے بیان درج کیے کہ احمد فراز کے مطابق 1947 میں ایک کتاب کی ہزار کاپیاں شائع ہوتی تھیں۔ آج کی آبادی کئی گنا بڑھ کر بارہ کروڑ ہو گئی ہے، تاہم آج بھی کتابیں ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ ناہید ان سب امور کا تجزیہ پیش کرتی ہیں کہ جن معاشروں میں کتب بینی کا شوق ختم ہو جائے اور وہاں علم کی ضرورت و افادیت کو اجاگر کرانے کی بجائے جہالت کو فروغ دینے کے پروگرامز جاری ہوں۔ ان ملکوں کی ترقی کیسے ممکن ہو سکے گی؟

ناہید کا مشاہدہ گہرا اور واضح ہے۔ مصنفہ کالم میں اوکاڑہ براستہ جہاز جانے کا واقعہ درج کرتی ہیں۔ اسی جہاز میں دو برقعہ پوش خواتین بھی سوار ہوئیں جن کے ساتھ ان کے بچے بھی تھے۔ سفر کے دوران ان بچوں نے سارے مسافروں کو تنگ کیے رکھا اور مسافروں کے آگے سے چائے یا اخبار کو کھلونوں کی طرح استعمال کرتے رہے۔ یہی رویہ سڑک عبور کرتے ہوئے ایسے والدین کا ہوتا ہے جو بچوں کا ہاتھ پکڑ کر سڑک پار کرانا چاہتے ہیں۔ ایسے میں کوئی بچہ ہاتھ چھڑا کر سڑک پار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس پر ماں باپ آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ اسی نوعیت کے بچے جو تربیتی کمی کا شکار رہتے ہیں، بڑے ہو کر معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ بعد ازاں یہی بچے مختلف جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں، سیٹیاں بجاتے ہیں، راہ چلتے لڑکیوں پر جملے کستے ہیں۔ ایسے نوجوان ملکی بے روزگاری میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اس کتاب میں مصنفہ نے انسانی زندگی کو درپیش متعدد مسائل کی نشان دہی کی ہے اور ایک ماہر تجزیہ نگار کی طرح سرکار کو ان مسائل کے ممکنہ حل بھی بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر وطنِ عزیز پاکستان ترقی اور خوش حالی کی راہ پر گامزن ہو سکے گا۔ ایسے امور کو نظر انداز کرنے کی صورت میں آبادی میں اضافہ ہو گا جس سے بے روزگاری، بدامنی اور انتشار میں بھی اضافہ رقم ہو گا۔

ورق ورق آئینہ

مصنفہ کے کالموں پر مبنی دوسرے مجموعے کا عنوان ورق ورق آئینہ ہے۔ یہ مجموعہ 2006 میں سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہوا۔ مصنفہ کے کالم زیادہ تر روزمرہ زندگی کے معاملات سے متعلقہ ہوتے ہیں۔ مزید یہ کالم پاکستان کی سیاسی تاریخ کی جمع آوری کا مواد بھی فراہم کرتے ہیں۔ مصنفہ ایک کالم میں متعدد موضوعات پر طبع آزمائی کرتی ہیں۔ ان کے وسیع مطالعے کی نوعیت یہ ہے کہ دنیا کے غیر ملکی ادیبوں کے نچوڑ جملے جو ان کی آڈیالوجی پر دلالت کرتے ہیں، مصنفہ ان جملوں کو اردو میں ترجمہ کر کے کالموں میں درج کرتی ہیں جن سے ان کی تحریریں مزید پُر اثر ہو جاتی ہیں۔ کھوئے ہوئے دوستوں کی یادیں مصنفہ کی ذہنی ساخت کا حصہ بن چکی ہیں۔ وہ نہ صرف پاکستانی ادب کے درخشندہ ستاروں کی دل چسپ باتوں کو کالم میں بیان کرتی ہیں جن سے ان شخصیات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے از حد اہم معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ انسان دوستی مصنفہ کا پسندیدہ موضوع ہے۔ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں سرگرمِ عمل رہی ہیں۔ عام آدمی کو درپیش مسائل کا احاطہ ان کی تحریروں کو توانائی فراہم کرتا ہے۔ خواتین کے مسائل پر متعدد زاویوں سے روشنی ڈالنا بھی ان کے احاطۂ تحریر میں شامل ہے۔

مصنفہ کے کالموں کا مجموعہ ڈاکٹر طاہرہ عبداللہ اور افضال احمد کے ناموں سے منسوب ہے۔ دیباچہ مصنفہ کی نظم پر مبنی ہیں جس میں وہ کیوں لکھتی ہیں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب چار سو صفحات کی ضخامت رکھتی ہیں۔ جس میں 7 موضوعات کے تحت کالموں کو تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ موضوعات: "پاکستان کی گود میں لکھی گئی کہانیاں"، "سرحدوں سے پَرے"، "بندوق کی نالی پہ بیٹھی عورت"، "نوحۂ جنگ"، "اپنے دیس کی گلیوں میں"، "ادب و ثقافت کی آتش بازی" اور "سنا ہے کل رات مر گیا وہ" پر مبنی ہیں۔

اس مجموعے کے پہلے حصے "پاکستان کی گود میں لکھی گئی کہانیاں" اٹھاون کالموں پر مشتمل مختلف عنوانات کے ساتھ درج تحریریں ہیں جن میں مصنفہ نے پاکستان کے کھوکھلے سیاسی نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ مصنفہ ان سوالات کے جوابات تلاش کرتی ہیں کہ پاکستان کے ابتر حالات کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا سیاست دان ہیں؟ جو اپنے مخصوص دورانیے کے عرصہ میں پاکستان کے وسائل لوٹتے ہیں اور ان کے اثاثہ جات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔ جب کہ ان کے مقابلے میں غریب عوام کی حالت سدھرنے کی بجائے مزید خراب ہوتی جا رہی ہے۔ مذہب کی درست تبلیغ کی بجائے مولوی حضرات جنونی طبقہ پیدا کیے جا رہے ہیں۔ جس سے ملک میں مذہبی منافرت اور فرقہ پرستی پروان چڑھ رہی ہے۔ ان حالات سے ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ نوجوان طبقہ پاکستان کی سیاسی تاریخ سے اَن جان ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ اور جغرافیہ نئی نسل تک پہنچانا سرکار کی ذمہ داری ہے لیکن نئی نسل انٹرنیٹ سے استفادہ کر رہی ہے جو پاکستان کی سرکاری خبروں پر توجہ نہیں دیتے بلکہ انٹرنیٹ پر درج مواد سے مستفید ہو رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر جاری خبریں سرکاری خبروں سے کہیں زیادہ درست حقائق پر مبنی ہوتی ہیں۔ ملازمتوں کے مواقع جس ملک میں محدود ہوں، خواتین کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہو، بچوں کی کثیر تعداد اسکول جانے سے قاصر ہو، جہاں ووٹ کے درست استعمال کی جان کاری محدود ہو، ایسے ملک میں جمہوریت آمریت کی ہی ایک شکل معلوم ہوتی ہے۔ اس روش کو بدلے بغیر وطنِ عزیز کی ترقی و خوش حالی ممکن نہیں ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

> "لوگ کہتے ہیں کہ جس قوم میں اجتماعی لاشعور ہی نہ ہو وہ بھلا کس طرح کسی سیاسی منشور کی پاسداری کر سکتی ہے۔ ہم نے کشمیر کے مسئلے کو پنجاب کا مسئلہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہم نے سندھ کے پانی کے مسئلے کو صوبہ سندھ کی شکایت کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ ہم نے سوئی گیس کی رائلٹی کے مسئلے کو بلوچستان کی خود مختاری سے جوڑ دیا ہے۔ ہم نے ڈرگز کا سارا الزام صوبہ سرحد پر لگا دیا ہے اور ہم نے مہاجر کا لفظ پاکستان بننے کے تیس برس بعد زندہ کر کے ایک اور قومیت سامنے لا کھڑی کی ہے۔ ہمارا اجتماعی شعور یا لاشعور کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر اجتماعی شعور ہوتا تو قوم 1971 میں تو اکٹھی ہو کر کھڑی ہوتی۔"[4]

مصنفہ کی سیاسی بصیرت اس کتاب کے متعدد کالموں میں بکھری ہوئی ہے۔ بعض معاملات میں مصنفہ کا رویہ شدید ہو جاتا ہے۔ ناانصافی، ظلم اور عدل کے بغیر معاشرہ درست سمت میں سفر طے نہیں کر رہا ہوتا۔ ملک کے دانش ور ان امور کا اظہار اپنی نگارشات نظم و نثر میں کرتے چلے آئے ہیں، تاہم ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی اور گنتی کے پڑھے لکھے دانش ور جن کی آواز قارئین اور سامعین تک پہنچتی تو ہے لیکن مقتدر طاقتیں نو آبادیاتی نظام کی توسیع سے مطمئن نظر آتی ہیں کیوں کہ ان حکمرانوں کے بچے بیرونِ ملک تعلیم اور کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ پاکستان کی معیشت سے لے کر سیکیورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال سے لاعلم رہتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں بند ہیں۔ مصنفہ اس معاملے میں عالمی سطح پر آواز اٹھا چکی ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں کئی زاویوں سے اس دشمنی کو ختم کرنے کی گزارش کرتی رہتی ہیں۔

پاکستان میں جاگیر دارانہ نظام پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ جاگیر داروں نے سیاست کی گلی میں قدم رکھا ہوا ہے۔ پرائیویٹائزیشن کے آغاز سے زیادہ تر جاگیر دار ٹرانسپورٹر بن گئے، مارکیٹیں، پلازے اور پراپرٹی کے کاروبار سے وابستہ ہو گئے، رائس ملز، شوگر ملز اور آٹے کی ملز میں انھوں سے پیسہ لگایا۔ آج پاکستان میں الیکشن پر کروڑوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں لیکن نو منتخب امیدواروں کے اثاثے لاکھوں میں درج ہوتے ہیں۔ یعنی ایک ایسا مقتدر طبقہ جو ملک کے وسائل لوٹ کر عیاشی کر رہا ہے اور ٹیکس دینے کی زحمت بھی نہیں کرتا بلکہ پاکستان میں رشوت کا نظام انھی لوگوں کی وجہ سے مستحکم ہوتا جا رہا ہے۔

پاکستان کے پسماندہ علاقوں میں رہنے والے بچے، عورتیں، مرد اور بزرگ بنیادی سہولیات کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں لیکن ٹیکس نہ دینے والا طبقہ ان کے استحصال سے گریز نہیں کر رہا۔ اسی طرح مصنفہ دلائل دیتی ہیں کہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے سرحد کے دونوں اطراف ملکی معیشت کا بھاری حصہ دفاع کے نام پر مختص کیا جاتا ہے۔ اگر دشمنی کی اس فضا کو دوستی میں بدل دیا جائے تو نہ صرف دفاعی اخراجات معاشرے کے پسے ہوئے طبقے پر خرچ ہوں گے۔ سرحد کھلنے سے دونوں ممالک کی تجارت میں اضافہ ممکن ہو سکے گا۔ تہذیب و ثقافت اور ادبی تقاریب اور سیر و سیاحت سے دونوں ممالک کے عوام بھرپور منافع حاصل کر سکیں گے۔

مصنفہ اپنے ایک کالم "ہندوستان، پاکستان کب تک حالتِ جنگ میں رہیں گے" میں ارون دھتی رائے کا ذکر کرتی ہیں جنھوں نے معاشرے کے محروم طبقے کے لیے آواز اٹھائی اور عالمی سطح کی شہرت حاصل کی۔ کشور لکھتی ہیں:

> "ارون دھتی رائے نے آج سے چھ سال پہلے God of small things لکھ کر بین الاقوامی انعام حاصل کیا۔ یہ تو ان کی شناخت کا پہلا قدم تھا۔ ہندوستان نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو سب سے پہلے جس خاتون نے لکھ کر احتجاج کیا اور کہا کہ ہمیں بم نہیں روٹی چاہیے وہ ارون دھتی رائے تھیں۔"[5]

اس کتاب کا دوسرا عنوان "سرحدوں سے پرے" میں تیرہ کالم شامل ہیں۔ ان کالموں کے عنوانات: "پاکستان اور ہندوستان میں ابابیلوں اور فاختاؤں کی جنگ"، "جنوبی امریکہ میں عورتوں کی جیل میں شاعری"، "دلی میں خانہ بدوش بچیں"، "عاشورہ، مہاویز جینتی، سوامی اور دلی"، "ہوچی منھ اور سائیکلوں کے ملک ویت نام میں"، "لندن سے گزرتے گزرتے"، "دھند میں لپٹی دلی یاترا"، "کھجراؤ، کریلے اور ہندوستان کے الیکشن"، "گوا کا سیاحت نامہ"، "ممبئی میں ورلڈ سوشل فورم"، "ایک جزیرہ ماریشس"، "3 ہزار جزیروں کے ملک جاپان میں"، "دلّی کی گلیوں میں انسانی حقوق کی بات" اور "گرم مصالحوں اور ناریل کے باغوں کے درمیان" ہیں۔

مصنفہ پاکستان کی سیر و سیاحت اور خواتین کے حقوق کے فروغ کے لیے مصروفِ عمل رہنے کے ساتھ، دنیا بھر کے ممالک کا سفر بھی کرتی ہیں۔ وہاں کی تہذیب و ثقافت کو پاکستانی تہذیب و ثقافت سے تقابل کرتی ہیں۔ مزید وہاں کے بسنے والے لوگوں کے مسائل بھی قارئین سے بیان کرتی ہیں۔ "سرحدوں سے پرے" کے عنوان سے تحریر کیے گئے کالم میں قارئین کو دنیا کے دیگر ممالک کے مناظر سے آگاہی دلاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کالم ہمسایہ ملک ہندوستان کے شہروں کی تفریح کے دوران مشاہدہ کیے گئے ہیں۔ نہ صرف یہ کالم ہندوستان اور پاکستان کی عوام کو ایک دوسرے سے قریب لانے کا درس دیتے ہیں بل کہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ اگر دونوں ممالک صلح جوئی کی راہ پر چل پڑیں تو ان ممالک میں غربت اور بے روزگاری ختم کی جا سکتی ہے۔ تجارت کو فروغ دے کر اقوامِ عالم میں ترقی یافتہ کہلائے جا سکتے ہیں۔ دونوں ممالک کی عوام ایک دوسرے کو بے پناہ چاہتے ہیں۔ پاکستان میں بسنے والے دلّی، دکن، بنارس اور لکھنؤ وغیرہ کی سیر کے شیدائی ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی عوام

پاکستان کے شہروں کو دیکھنے کے لیے بے قرار رہتے ہیں، تاہم سرحدی پابندیاں آڑے آجاتی ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں کا معاملہ بھی انہی مسائل کی وجہ سے دورویوں کا شکار ہے۔

اس کتاب کے دیگر عنوانات "بندوق کی نالی پہ بیٹھی عورت"(10کالم)، "نوحۂ جنگ"(12کالم)، "اپنے دیس کی گلیوں میں"(18کالم)، "ادب و ثقافت کی آتش بازی"(33کالم)اور "سنا ہے کل رات مر گیا وہ"(14کالم)میں تقسیم کیے گئے ہیں۔

یہ جملہ کالم انسان دوستی کا درس دیتے ہیں۔ ظلم بچوں پر ہو یا عورتوں پر، دونوں صورتوں میں قابلِ مذمت ہے۔ مصنفہ کے کالموں میں عورت کی زندگی کے جملہ مسائل کے امکانات روشن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں تخصیص نہیں ہے کہ وہ عورت کس خطے یا علاقے سے تعلق رکھتی ہے۔ چائلڈ لیبر کی ہر فورم پر مذمت ہونی چاہیے۔ اس بات سے درگزر کرتے ہوئے کہ مزدوری کرتے بچے ہمارے شہر، صوبے، ملک یا خطے کے نہیں ہیں۔ مجموعی طور پر انسانیت کی فلاح و بہبود ان کالموں کا بیانیہ ہے۔ اس کتاب کا آخری کالم "زندگی سے جلاوطنی کا منظر نامہ" میں مصنفہ عورتوں کے خلاف جاری ہونے والے کالے قانون کا ذکر کرتی ہیں اور اس قانون کے نافذ ہونے کے بعد خواتین کی جدوجہد کے متعلق لکھتی ہیں:

> "شہلا ضیاء، عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی نے مل کر خاتون وکیلوں کی ایک ایسی انجمن قائم کی کہ جو ان عورتوں کی دادرسی بھی کرتی۔ اس قانون کو ختم کرنے کی سعی بھی کرتی، جیلوں میں بے جا قید عورتوں کی رہائی کی سبیل بھی کرتی اور حکومت کو جب عورتوں کے بارے میں پالیسی بنانے میں اعانت کی ضرورت ہوتی وہ محنت سے دستاویز تیار کر کے دیتیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ دستاویز پھر سرد خانے میں چلی جاتی۔"[6]

کشور ناہید کی دیگر کتب کی طرح کالموں کا مجموعہ ورق ورق آئینہ اہم ترین معلومات کا خزانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس میں وطنِ عزیز پاکستان کی عوام کو درپیش مسائل کا تذکرہ بھی ہے اور ان مسائل پر قابو پانے کے دلائل بھی موجود ہیں۔ ادب اور تانیثیت کے مباحث پر مصنفہ نے قلم اٹھایا ہو تو پوری انسانی تاریخ کے اوراق سے مثالیں قارئین کے سامنے رکھتی ہیں۔ خواتین کو بآسانی روزگار فراہم کرنے کے کئی طریقوں پر مصنفہ بحث کرتی ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ خواتین کس کرب سے گزر رہی ہیں۔ بالخصوص ایسے علاقوں میں جہاں خواتین کو روزگار کمانے کے ذرائع دستیاب نہیں ہیں۔

پاکستان کے ادیبوں کا احوال ہو تو حیران کن حد تک مصنفہ قیامِ پاکستان کے بعد کے لکھاریوں کی ذاتی زندگیوں میں جھانکنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مصنفہ نے لاہور کے ادبی مرکز میں بھرپور ادبی مجالس میں شرکت کی۔ ادیبوں اور شاعروں کے مسائل سرکاری عہدے پر براجمانی کے دوران حل کرنے کی کوشش کی جن میں حبیب جالب کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان نیشنل سنٹر کی ملازمت کے دوران جملہ فنون سے وابستہ شخصیات کو نوازنے میں مصنفہ کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ادیبوں کے دنیا سے گزر جانے کے واقعات کا احوال ان کالموں کا خاصا ہے۔ سریندر پرکاش جیسے افسانہ نگار کی ناگہانی موت پر مصنفہ کا کالم موجود ہے۔ ایسے ہی ان کے ہم عصر دوستوں کی موت چاہے دنیا کے کسی ملک میں بھی ہو مصنفہ اس پر لکھنا فرض سمجھتی ہیں۔ مختصراً ان کے کالموں کا مذکورہ بالا مجموعہ قارئین کی معلومات میں بیش قیمت اضافے کا باعث بنتا ہے اور معاشرے میں ادبی، سیاسی، سماجی اور صنفی شعور کے فروغ میں اہم دستاویز قرار دیا جا سکتا ہے۔

زخم برداشتہ: پاکستان کہانی

کشور ناہید کے کالموں کا تیسرا مجموعہ زخم برداشتہ: پاکستان کہانی سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے 2010 میں شائع ہوا۔ مصنفہ نے اس مجموعے کا انتساب نیاز احمد اور شعیب سلطان خاں کے نام کیا ہے۔ دوسو چوالیس صفحات کی ضخامت پر مبنی اس مجموعے میں ایک سو چھتیس کالم شامل ہیں۔ اس کتاب سرورق عنبرین بٹ نے تیار کیا ہے۔

کشور ناہید پاکستان کے اُن لکھاریوں میں شمار کی جاتی ہیں جنھوں نے وطنِ عزیز کی جمہوریت پر آمریت کی جانب سے شب خون مارے جانے کے تمام ادوار دیکھے۔ صدر ایوب کے مارشل لا سے جنرل پرویز مشرف کے مارشل لا تک کی کہانی مصنفہ کی متفرق ادبی نثر کا خاصا ہے۔ مصنفہ جہاں مارشل لا ایڈمنسٹیٹرز کے غلط فیصلوں کو تنقید کا نشانہ بناتی ہیں، وہیں ان کے متبادل کے طور پر ممکنہ حل بھی فراہم کرتی ہیں۔ جمہوریت انسانی زندگیوں کو مسائل سے نکال کر خوش حالی کے راستے پر گامزن کرنے سے تعبیر کی جاتی ہے، تاہم، جمہوری ادوار مارشل لا کے ادوار کی نسبت کہیں زیادہ مثبت قرار دیے جاتے ہیں۔ پاکستان کی موجودہ صورت حال میں دہشت گردی اور بدامنی ضیادور میں کلاشنکوف کلچر اور منشیات کے بے ہنگم پھیلاؤ کی وجہ قرار دی جاتی ہے۔ امریکہ نواز پالیسیاں یا انگریزوں کے وضع کردہ نظام کو من وعن جاری رکھنے میں دیگر ممالک کے بیانیے کو تقویت مل سکتی ہے، تاہم ہمارے ملک کی یکساں پالیسی کی تشکیل تاحال شرمندہ تعبیر ہے۔

مصنفہ کے اس مجموعے میں کالموں کی نوعیت ادبی، سیاسی، سماجی، مذہبی، جغرافیائی اور ثقافتی موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ عورتوں کے متعلق تخلیق کردہ ادب ہو، پاکستانی اور ہندوستانی ادیبوں کے دونوں ممالک میں دوروں پر پابندیوں کا قصہ ہو یا سرحد کے دونوں اطراف بسنے والے بچے، بوڑھے، عورتوں اور مردوں کو درپیش مسائل کا اظہار ہو، مصنفہ کا قلم ان موضوعات پر بے لاگ تنقید کرتا ہے۔ جزئیات کے ساتھ مسائل کو بیان کرنے میں مصنفہ کی مسلسل مشقِ سخن اور ذاتی زندگی میں تجربات کی نوعیت شاملِ حال رہی ہے۔ بعض کالموں کے عنوانات مصنفہ نے شعرا کے مصروں سے اخذ کیے ہیں اور عمدہ نوعیت کے کالم تحریر کیے ہیں۔ ذیل میں مصنفہ کے کالموں کے زیرِ مطالعہ مجموعے میں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

> "ناصر کاظمی نے بھی تو یہی کیا تھا، رخصت ہوتے ہوئے اس نے بھی کہا تھا "چڑیوں کو میرا سلام کہنا" اسی طرح شاکر علی دل کے اندر بیٹھی ہوئی چڑیا کی آواز سنتا رہا اور پینٹ کرتا رہا۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ شاکر علی کیا پینٹ کر رہے ہیں؟ یہ دیکھنے بھی ڈاکٹر اجمل آتے، کبھی فیض صاحب، کبھی علی امام اور کبھی سبطِ حسن۔ زمانہ کیسا بدلا ہے، سنا ہے آج کل این سی اے میں اصغر ندیم سیّد الیکٹرانک میڈیا پڑھا رہے ہیں۔ کسی نے کولسن ڈیوڈ کو یاد نہیں کیا تو اب ذی شان ساحل کو کون یاد کرے گا۔[7]"

> "میں آپ کو یاد دلاتی ہوں جس دن بھٹو صاحب کو قید کیا گیا، اسی دن حکم دیا گیا کہ بھٹو صاحب کی تمام تقریریں، تمام ویڈیوز ایک کمرے میں بند کر کے جلا دی جائیں۔ جس دن بھٹو صاحب کو قید کیا گیا اسی دن گل جی کی بنائی ہوئی پورٹریٹ کی کتاب وزارتِ اطلاعات میں آئی تھی۔ ٹرک بھر کر وہ لاہور بھجوا دی گئی کہ ایک بڑے کاغذ کے کارخانے کی بھٹی میں وہ کتاب جلا دی جائے۔ ان کی ساری کیسٹ دیوار میں چنوا دی گئی تھیں۔[8]"

> "ادھر حکومتِ ہندوستان کا حال یہ ہے کہ آنے والے چار ادیبوں سے بھی انہوں نے وہی سلوک کیا جو کہ وہ دہشت گردوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ لچھن کسی طرح بھی دونوں ممالک کے درمیان مفاہمت میں اضافہ کرنے اور دونوں ممالک کے لوگوں کو قریب لانے کے لیے کسی طرح بھی کوئی ذی شعور ان کو لائق توجہ اور مثبت نتائج کا حامل نہیں سمجھے

گا۔"[9]

"پاکستان میں 27 برس سے حدود آرڈیننس کو خفیہ ایسے بنایا گیا ہے کہ جیسے خدانہ کرے کہ آسمان سر پر ٹوٹ پڑے گا۔ اگر عورت کے حوالے سے چند تحفظ فراہم کر دیے جائیں گے اور پاکستان پینل کوڈ میں جن شقوں کو نکال دیا گیا تھا، ان کو دوبارہ آئینی سطح پر منضبط کر دیا جائے گا تو وہ مصیبت جو عورت پر گزشتہ ستائیس سال سے ٹوٹ رہی ہے، اس کو ایک حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔"[10]

مصنفہ کی تحریروں میں ادب سے جڑی شخصیات کے انٹرویوز اور یادیں رقم کرنے کے ساتھ عالمی ادیبوں کے تعارف اور ادبی خدمات کا احوال بھی موجود ہے۔ جیسے اس کتاب میں مصنفہ نے "نوبل انعام یافتہ نجیب محفوظ سے ملاقات" پر عمدہ کالم تحریر کیا۔ فنونِ لطیفہ سے مصنفہ کی والہانہ دل چسپی کی متعدد مثالیں اس کتاب کے اوراق پر بکھری ہوئی ہیں۔ سیاسی نظام میں خلا کو پُر کرنے کے لیے مصنفہ نے اچھا خاصا ذخیرہ یاد گار چھوڑا ہے۔ دہشت گردی کے موضوع پر مصنفہ نے قلم اٹھایا ہو تو مدرسوں کے کردار سے لے کر خود کش بم بار کی ذہنی تربیت جو درندگی پر مبنی ہوتی ہے، ان سب مسائل پر حکومتِ وقت کی توجہ دلا کر بھٹکے ہوئے دہشت گردوں کو قومی دھارے میں لانے کے لیے زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کتاب کے یوں تو بہت سے کالم عمدہ قرار دیے جاسکتے ہیں، تاہم ایک کالم بعنوان "ہمارے ادب اور فنونِ لطیفہ میں میچور عورت کہاں ہے" منفرد نوعیت کا ہے۔ چند اہم ترین کالموں کے عنوانات: "جنوبی ایشیا میں سیاست اور خواتین"، "کیا انسانیت مسائل کے قد سے اپنا قد بڑھائے گی"، "رخصت اے نفرت! تو نے ہمیں بھسم کر دیا ہے"، "اصول پرست سیاست کا خاتمہ"، "مسلم نشاۃ الثانیہ کی فنی نمائش کیا پاکستان آسکے گی"، "مذہبی شدت پسندی اور الیکٹرانک میڈیا"، "عورتوں کو زندہ جلا دینا کیا اسلام میں جائز ہے؟"، "لاقانونیت پر ادیب کیا کہتے ہیں" اور "جمہوریت خود کسی مسئلے کا حل نہیں" بھی توجہ کا تقاضا چاہتے ہیں۔

ان کالموں میں درج مواد کا جائزہ لیا جائے تو مصنفہ کی انسان دوستی اور پاکستان سے بے پناہ محبت جھلکتی نظر آتی ہے۔ اردو ادب سے وابستہ شخصیات جن میں سید سجاد ظہیر، چچا سام، فیض احمد فیضؔ، ناصرؔ کاظمی، منیرؔ نیازی، جون ایلیاؔ اور بہت سے شعرا سے وابستہ یادیں بھی مصنفہ درج کرتی ہیں۔ شاکر علی، گل جی، ایم ایف حسین کا ذکر ادب و احترام سے رقم ملتا ہے۔ ایسے سیاست دان جن کی سیاست عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ہے ان کی مصنفہ قدر کرتی ہیں اور ملکی وسائل لوٹنے والے سیاست دانوں، جرنیلوں اور میڈیا کے لوگوں پر کڑی تنقید کرتی ہیں۔ مختصراً کالموں کے اس مجموعے کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی ادبی، سیاسی، تہذیبی، مذہبی تاریخ کے متعدد تاریخی واقعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ جن کا مطالعہ قاری کے لیے پاکستانی سیاست اور ادب کے در وا کرتا ہے۔

گمشدہ یادوں کی واپسی

مصنفہ کے کالموں کا چوتھا مجموعہ گمشدہ یادوں کی واپسی کے عنوان سے سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے 2015 میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں ایک سو دو کالم درج ہیں اور یہ کتاب دو سو سولہ صفحات کی ضخامت رکھتی ہے۔ کتاب کا حرفِ آغاز بعنوان "کشور حسین شاد باد" فاروق قیصر کا تحریر کردہ ہے جس میں وہ کشور کی تخلیقات اور خواتین کے حقوق کی عملی خدمات کا احوال رقم کرتے ہیں۔ فاروق قیصر لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک وہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کی واحد ڈی جی رہیں جنھوں نے فیض احمد فیض کے مشن کو آگے بڑھایا اور ادارے کو صحیح سمت میں ڈالنے کی کوشش کی۔ وہ وقت کی اس حد تک پابند تھیں کہ پی این سی اے کے

کسی بھی پروگرام کو چیف گیسٹ کی آمد کا انتظار کیے بغیر مقررہ وقت پہ شروع کرا دیتی تھیں۔ایک بار میں ان کے ساتھ کسی پروگرام میں چیف گیسٹ کے انتظار میں لیاقت ہال کے باہر کھڑا تھا، جب چیف گیسٹ صاحب جو کہ منسٹری آف کلچر کے وزیر تھے، مقررہ وقت سے دس منٹ بعد تک بھی نہ پہنچے تو کشور نے پروگرام شروع کرنے کا حکم دیا۔میں نے ان سے کہا" سوچ لیں۔ آپ کی نوکری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔" وہ بولیں" میں ایسی نوکری پر لعنت بھیجتی ہوں جو خوف سے کی جائے اور جس میں عزت نہ ہو۔" اور پھر وہی ہوا۔ انہیں چند روز بعد ڈی جی کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور میں یہی سوچتا رہا کہ کیا کشور ناہید کے مقابلے میں کسی سرکاری وزیر کی ملک کے لیے خدمات زیادہ ہو سکتی ہیں؟ انڈیا کے ٹور پر ہم نے جیسا شاندار استقبال کشور کا دیکھا، وہ ہم بھلا نہیں سکتے۔"[11]

تخلیق کار اپنے عہد کے سماج کی حقیقی تصویر رقم کرتے ہیں۔ معاشرے میں پائی جانے والی خباثتیں ان کی نگارشات میں جھلکتی ہیں۔ کوئی بھی ترقی پذیر معاشرہ سماجی ناانصافیوں، برائیوں اور ناہمواریوں کے ساتھ ترقی نہیں کر سکتا۔ ادیب اور دانش ور ہی اس سماج کا ایسا طبقہ ہوتا ہے جو ان سب معاملات پر گہری نظر رکھتا ہے۔ نہ صرف ان امور کا اظہار تخلیقات میں ادیب پیش کرتا ہے بلکہ سسکتی ہوئی انسانیت کو کرب و الم سے نکالنے کی راہیں بھی فراہم کرتا ہے۔ کشور ناہید کا تعلق بھی ادیبوں کے اسی گروہ سے ہے جو طویل عرصہ سے نظم و نثر میں انقلابی اور مزاحمتی تحریروں کی وجہ سے معروف ہیں۔ مصنفہ سماج میں غربت، بے روزگاری، بدامنی، دہشت گردی، قدرتی آفات کی تباہ کاریاں، سیر و سیاحت سے زرِ مبادلہ کمانے کے متعدد طریقے، پاکستان کی تہذیب و ثقافت کو عالمی درجہ پر پہنچانے کے لیے عملی کوششیں، تعلیم، صحت اور تحفظ کے معاملات پر سنجیدہ تحریریں لکھنے کی وجہ سے روشن خیال ادیبوں کی صف میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اُن کے کالموں میں پاکستان کی ادب و سیاست کی ایسی روشن مثالیں درج ہیں جن سے قارئین گزرے ہوئے سالوں کی بازیافت کر سکتے ہیں۔ زیرِ مطالعہ مجموعہ گمشدہ یادوں کی واپسی انہی امور کی درخشندہ مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ بظاہر یہ مجموعہ 102 کالموں پر مشتمل ہے تاہم، اس کے صفحات پر گزرے ہوئے زمانوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہ بازگشت مصنفہ کے وسیع مطالعے اور تجربے کی روشنی میں قارئین تک پہنچتے ہیں۔

مصنفہ کالموں میں معرکۃ الآرا شعرا کی شاعری کے مصرعے درج کرتی ہیں جو کالموں کے عنوانات کو جاذبِ نظر بنا دیتے ہیں اور قارئین ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جیسے" پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں"، " قاصد کے آتے آتے...!"، " پھر برق فروزاں ہے سرِ وادیٔ سیلاب"، " بہ ہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم"، " جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہو گا"، " مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے" وغیرہ ایسے عنوانات ہیں جو قاری کی توجہ فوری حاصل کر لیتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ کی جملہ جہتیں کے متعلق تحریریں اور ادبی سرگرمیوں میں مصنفہ کی شرکت اور ان تقاریب کا احوال رقم کرنا بھی کالموں کی اہمیت بڑھا دیتا ہے۔ جیسے" پرویز انجم کی کہانیوں کی مسافت"، " اردو کی تیسری عالمی کانفرنس"، " آپ بیتیاں، سچ بیتیاں"، " چچا سام سے ایک مکالمہ"، " سنگم، الٰہ آباد اور فیض کانفرنس"، " نئی پرانی شاعری"، " تان سین، استاد امجد علی خان اور گوالیار"، " جستجو کیا ہے!"، " جدید شعری حسیت"، " بیادِ رفتگاں"، " ادیبوں میں دھڑے بندیاں"، فہمیدہ ریاض کے سب لعل و گہر"، " مشکوک نوبل انعام 2009"، " دلی کی گرمی اور کامنا پرشاد کا مشاعرہ"، " دیہی سیاحت کو فروغ دیں"، " فرخندہ لودھی۔ پرانی محفلیں یاد آ رہی ہیں"، " کیٹی بندر اور ادب کا سائیکلون"، " مشاعرے اندور، اجین اور بھوپال میں"، امراؤ جان ادا کا شاعر شہریار چلا گیا"، " مشاعروں کا موسم"، " کراچی ادبی میلہ" اور " حلقہ ارباب ذوق گلگت کی معرکہ آرائیاں" جیسے عنوانات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مصنفہ کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا اردو ادب ہے۔ اس مجموعے سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

"ہر من بیسے نے لکھا تھا کہ مجھے دس سال کی عمر میں ہی پڑھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ نظم اچھی ہے کہ بس گزارہ ہے۔بقول ن م راشد آج کے شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، کانوں سے سنے اور اپنے دل سے محسوس کرے۔اس کے لیے صرف یہ بیان کافی نہیں کہ آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں بلکہ یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ آنکھیں آگے چل کر کیا دیکھیں گی یا انہیں کیا دیکھنا چاہیے۔[12]"

"شاید نیپال میں بھی ایسے امیر پیدا ہو گئے ہیں کہ ایک شخص نے پوری پہاڑی خرید کر وہاں اس نے لاج بنالی ہے جس میں 100 کے قریب کمرے ہیں۔ کانفرنس روم ہے، سو بندوں کے کھانے کے لیے ڈائننگ روم ہے اور ٹیرس ایسا ہے کہ چاروں طرف سے برف پوش پہاڑ جھانک رہے ہیں۔ یہ علاقہ کھٹمنڈو سے تقریباً20 کلو میٹر دور واقع ہے۔ ہر دو گھنٹے بعد شٹل چلتی ہے کہ جو لوگ شہر جانا چاہیں، کرایہ دیں اور شہر گھوم آئیں۔ یہ علاقہ للت پورہ کے قریب ہے اور ساتھ میں مشروبات اور پشمینہ شالوں کی دکان ہے۔ ضرورت مند اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔[13]"

"ابنِ صفی کو ایک تو شمس الرحمان فاروقی نے انگریزی میں ترجمہ کر کے دوبارہ زندہ کیا اور پھر اسی ادبی میلے میں باقاعدہ سیشن ہوا جس کو بلال تنویر نے بہت خوبصورتی سے کمپئر کیا۔[14]"

"جس طرح شندور کا میلہ مشہور ہے، میرا جی کرتا ہے کہ اس طرح گلگت بلتستان کا ادب بھی مشہور ہو۔ ہر چند لسانیات کے سلسلے میں کاظمی صاحب بہت شہرت رکھتے ہیں مگر حلقے کو چلانے والے ادبا بھی کسی سے کم نہیں۔"[15]

ادب سے وابستہ جڑی ہر بات کا احاطہ مصنفہ کی تحریروں میں شامل ہے۔ ان کے کالموں میں واقعاتی سفر ناموں کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ قاری مصنفہ کی تحریریں پڑھ کر نہ صرف پاکستان کی ادبی، تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی تاریخ سے آگاہ ہوتا ہے ، ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف ممالک کی ادبی سرگرمیاں، میلے ٹھیلے، کانفرنسز، سیمینارز اور مشاعروں کے متعلق آگاہی حاصل کرتا ہے، وہیں ان ممالک کی سیر و سیاحت سے بھی قاری لطف اندوز ہوتا ہے۔ مصنفہ کا پسندیدہ موضوع خواتین کے حقوق کی معاشرے میں مساوی درجہ پر شناخت کو تسلیم کیے جانے اور ان کی آزادانہ رائے کو تسلیم کرنا ہے۔ اس موضوع پر مصنفہ انسانیت کے ارتقا سے عصرِ حاضر تک کے منظرنامے کو متعدد زاویوں سے بیان کرنے میں قدرت رکھتی ہیں۔ صنفی اور سماجی شعور کے فروغ میں ان کی تحریریں اہمیت کی حامل ہیں۔

گستاخی

کشور ناہید کے کالموں کا پانچواں مجموعہ گستاخی کے عنوان سے سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور نے 2017 میں شائع کیا۔ یہ مجموعہ ایک سو چار کالموں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا سرورق قدوس مرزا نے تیار کیا ہے۔ دو سو بائیس صفحات کی ضخامت اس کتاب کا خاصا ہے۔ کشور ناہید اپنے تند و تیز رویے، مزاحمتی تحریروں اور بے لاگ تنقید کی وجہ سے ادبی دنیا میں اپنی منفرد شناخت رکھتی ہیں۔ اس کتاب میں زیادہ تر کالم ادبی دنیا سے متعلق ہیں۔ دیہی و شہری علاقوں کے مسائل اور سیر و تفریح قارئین کے لیے دل چسپی کا ساماں فراہم کرتے ہیں۔ کھوکھلی سیاست کے فیصلوں اور رویوں پر طنزیہ تحریریں بھی ملتی ہیں۔ ملکی و غیر ملکی سطح کے ادبی پروگرامز بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ قاری کی معلومات میں اضافہ کرنے میں اس کتاب کی تحریریں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ ذیل میں چند عنوانات کے تحت لکھے گئے کالموں کا مختصر تعارف اور حوالے پیشِ خدمت ہیں۔

مصنفہ نے "کاش میں بھی انتظار حسین کی طرح لکھ سکتی"، "نڈر مہاشویتا دیوی، بنگال کی بڑی تخلیق کار"، "معراج محمد خان اور عصمت چغتائی"، "موت کا استعارہ، پروین شاکر کی نظموں میں"، "جنونِ ادب کا میلہ اور سرکار بے خبر"، "امیدِ سحر ہو یا مکالمہ یا شیخ ایاز"، "ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں

ملکوں"، "کچنار کی کلیوں جیسی کتابیں"، "جشنِ ادب، صوفی کانفرنس اور انتظار حسین"، "وداع مخدوم امین اور عالی جی، سلام فیض کو"، "بارش میں پڑھی ہوئی کتابیں"، "ہم بھی وہیں موجود تھے"، "خود کش جیکٹس۔ مستنصر اور حمید شاہد کی کہانیوں میں"، "افضل توصیف اور نجمہ صادق بھی گئیں"، "میرے ذہن میں گلابی محرابیں ابھرتی ہیں"، "سن تو سہی جہاں میں تیرا افسانہ کیا"، "منو بھائی کا 60 سالہ دورِ صحافت"، "ریشماں اور ادب و ثقافت کانفرنس"، "ادب کا سفر خوشونت سنگھ سے جمیل عمر تک"، "ستارہ دیوی بھی چلی گئی"، "مزدوروں کے دن جینی کارل مارکس اور احمد علی خان"، "الف نون یا کمال احمد رضوی"، "شاعری کے بارے ظفر اقبال کی وضاحتیں"، "انیس اشفاق سے طاہرہ مظہر علی تک"، "تم جیو تم نے گل مکئی ہمارا نام اونچا کیا"، "عکسی مفتی کا فلسفہ ثقافت"، "انتظار حسین کے ساتھ۔ شامِ اعزاز"، "روشن خیالی کا آخری سفیر ڈاکٹر اسلم فرخی"، "وہ نقابِ رخ اٹھا کر، کبھی سامنے تو آئیں"، "افرو ایشیائی ادبی کانفرنس"، "کامنا پرشاد، پٹنہ اور خدا بخش لائبریری"، "میلوں میں گھرا، اسلام آباد"، "لٹریچر فیسٹیول۔ اُردو سے زیادہ انگریزی میں"، "رائٹر گلڈ کی بلڈنگ۔ توجہ کا تقاضا"، "آغا ناصر کو کس کس نام سے یاد کروں"، "امجد صابُری کی جوانی کا احوال"، "کیتھی گینن کی افغانستان کے لیے خدمات" اور "غالب کے خطوط اور پرتو روہیلہ" مذکورہ بالا عنوانات کے تحت عمدہ ترین کالم لکھے جن میں ان کی خرد افروزی اور ادب دوستی کی واضح جھلکیاں موجزن دکھائی دیتی ہیں۔ ذیل میں چند حوالے ملاحظہ کیجیے:

> "انتظار حسین کے جانے سے برصغیر کی بزمِ ادب پر ماتم کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ وہ ایک شخص ایسا ادیب تھا کہ دنیا کے کونے کونے میں ان کی تحریر کی بازگشت تھی۔ کبھی سی۔ ایم نعیم تو کبھی محمد عمر میمن تو کبھی فرانسس پریچیڈ ان کی تحریروں کا ترجمہ کر کے خود کو خوش نصیب سمجھتے تھے۔ اردو ادب میں گنگا جمنی تہذیب، اسلوب اور تذکروں کو زندہ رکھنے والا وہ ایک شخص تھا۔ گیتا کی کہانیوں کو آج کے معاشرے کے منظر نامے میں زندہ رکھنے ہا مہابھارت ہو کہ خطباتِ علی کے حوالے سے بیان کرنے کا وصف کسی اور میں نہیں تھا۔ ناول لکھے تو برصغیر کی تقسیم کو دل میں اترنے والے اسلوب میں پیش کیا۔ کراچی کے خراب حالات کو "آگے سمندر ہے" میں ملبوس کیا۔ ضیاء الحق کے زمانے میں سڑک سڑک پھانسیاں دینے کے ظالمانہ رویے کو تذکرہ ناول میں سمو دیا۔"[16]
>
> "منو بھائی کی بیٹی گڑیا نے جب تتلا کے بولنا شروع کیا تو وہ مجھے پیتل آنٹی کہتی تھی۔ شاید اس معصوم کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ یہ جو اوپر سے سنہری سنہری آنٹی نظر آتی ہے، اصل میں ہے پیتل کی۔[17]
>
> "بنگلہ دیش والوں نے تو اپنی آزادی کی تاریخ کا میوزیم ایک سال کے اندر ہی بنا لیا تھا تاکہ ان کے بچے جان سکیں کہ آزادی کتنی مشکل سے حاصل کی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں اگر منٹو، بیدی، قاسمی اور بلونت سنگھ جیسے لکھنے والوں کے علاوہ قرۃ العین حیدر اور عبد اللہ حسین نہ ہوتے تو ہماری تاریخ خاص کر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کا منظر نامہ سامنے ہی نہ آتا۔[18]
>
> پاکستان کی ابتدائی سیاست کے دنوں میں تاش کے پتوں کی طرح صبح ایک وزیر اعظم ہوتا تھا تو شام کو دوسرا، آخر کو وہی ہوا جو آج تک ہوتا آیا ہے۔ آمر قابض ہو جاتا ہے۔"[19]

کشور ناہید کے کالم موضوعاتی نوعیت کے ہوتے ہوئے بھی متنوع جہتوں اور پرتوں سے ترتیب پاتے ہیں۔ وہ ہر موضوع پر کھل کر لکھتی ہیں۔ ان کی تحریروں کا اسلوب سادہ اور سہل ہے لیکن متن میں درج معلومات کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک عہد اور روایت کی بازگشت نہیں، بل کہ کئی ملکوں کی ادبی و ثقافتی تاریخیں بیان کر کے، قاری کو ادب کی وادی کی سیر کراتی ہیں، وہیں جدید ادب سے دل چسپی پیدا کرنے کے جملہ لوازمات کا بھی

خیال رکھتی ہیں۔ مصنفہ سماج میں امن و آتشی کی خواہاں ہیں۔ وہ سرحدی پابندیوں کو ختم ہوتا دیکھنا چاہتی ہیں۔ سیر و سیاحت سے دور دراز علاقوں میں عام لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا چاہتی ہیں۔ وہ خواتین کی مرد سماج میں عزت و آبرو کی خواہش مند ہیں۔ بھوک سے بلکتے بچوں کا کرب مصنفہ سے دیکھا نہیں جاتا۔ انسانیت کے دل سوز واقعات کا دنیا بھر میں اختتام چاہنے والوں میں کشور ناہید کا نام بھی چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں سے انسان دوستی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا درس دیتی ہیں۔ مختصراً ان کا مجموعہ گستاخی کے صفحات انھی موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے قاری کی ذہنی تربیت کرنے میں عمدہ کردار ادا کرتے ہیں۔

ہزار داستان

کشور ناہید کے کالموں کا چھٹا مجموعہ ہزار داستان کے نام سے سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے 2019 میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ کا سرورق فوزیہ من اللہ نے نہایت خوب صورت پینٹ کیا۔ کشور اور فوزیہ من اللہ کی تصویر بھی آویزاں ہے۔ ایک سو تین کالموں پر مشتمل یہ مجموعہ دو سو چوبیس صفحات کی ضخامت رکھتا ہے۔ اکیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں میں پاکستان کے سیاسی حالات افراتفری کا شکار رہے۔ ملک میں مارشل لا، امریکہ کا افغانستان پر حملہ، پاکستان میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی، غربت، بے روزگاری، لوڈ شیڈنگ، سیلاب، زلزلے، خواتین پر بڑھتے ہوئے مظالم، اسکولوں میں بچوں کی مایوس کن تعداد اور مدرسوں کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسیوں کا فقدان یہ سب ایسے معاملات تھے جن پر مصنفہ نے اپنے کالموں میں بیان کرکے نہ صرف سیاست دانوں کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی بل کہ آمروں تک بھی اپنی آواز پہنچائی۔ بلوچستان کے حالات بالخصوص ہزارہ برادری پر خودکش حملوں کا تسلسل جاری رہنے کے خلاف مصنفہ نے مزاحمتی تحریریں رقم کیں۔

مصنفہ سماج کی جملہ برائیاں بے نقاب کرنے میں ملکہ رکھتی ہیں۔ وہ تخلیق کاروں کی داخلی زندگیوں میں جھانکنے کا ہنر بھی رکھتی ہیں۔ سیر و سیاحت کے دوران مختلف علاقوں کے مسائل پر بات کرتی ہیں۔ ملکی و غیر ملکی ادبی و سیاسی منظر نامے بھی ان کی توجہ کا مرکز ہیں۔ فنونِ لطیفہ سے وابستہ جملہ فن کار ان کی دل چسپی میں شامل ہیں۔ اس مجموعے میں مصنفہ کا انداز جذباتی نوعیت کا رنگ اختیار کیے ہوئے ہے۔ مصنفہ جانتی ہیں کہ ستر برس ہونے کو مکمل ہو رہے ہیں لیکن اس ملک کی آئین پر عمل درآمد کی روایت پروان نہیں چڑھ سکی۔ ملک کا عدالتی نظام عام آدمی کو سزائیں دیتا ہے لیکن طاقت ور طبقہ مال و دولت کے بل بوتے پر سزا سے بچ جاتا ہے۔ خواتین پر تشدد کے واقعات میں آئے روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جنسی ہراسانی کے واقعات دفتروں اور جامعات میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ بہت سے علاقے ملک کے ایسے بھی ہیں جہاں پینے کو صاف پانی میسر نہیں۔ ملاوٹ اس سوسائٹی میں اس قدر جگہ پانے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ آئے روز گوشت کی جگہ گدھے، کتے اور مردار جانوروں کے گوشت پکڑے جانے کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ حکومت صرف ایوانوں تک محدود ہو کر رہی گئی ہے۔ ملک میں بے روزگاری اور آبادی کے بے ہنگم پھیلاؤ کی وجہ سے آئے روز ڈکیتیوں کے واقعات میں اضافہ رقم ہوتا جا رہا ہے۔ چائلڈ لیبر پر پابندی کے باوجود وطنِ عزیز کے ہر چھوٹے بڑے شہروں میں بچے مزدوری کرنے پر مجبور ہیں اور ان کے ساتھ جنسی تشدد کے واقعات بھی رقم ہو رہے ہیں۔ کشور ناہید نے ان سب معاملات پر نہ صرف لکھا ہے بلکہ متعدد تقریبات میں حکومت پر بے لاگ تنقید بھی کی ہے۔ وہ اپنی گفتگو میں انسان دوستی کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک ہر ذی روح کو مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے، تعلیم حاصل کرنے کی، جیون ساتھی چننے کی اور آزادانہ طریقے سے زیست کرنے کی اور یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب سرکار عوام سے وصول کردہ ٹیکس کی رقم عوام پر ہی خرچ کرے۔

مصنفہ فنونِ لطیفہ سے متعلقہ شخصیات جنھوں نے عمر بھر ادب، موسیقی، مصوری، پینٹنگ، خطاطی وغیرہ میں کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ ان کی عمر کے آخری سال یا تو ناخوش گوار گزرے یا پھر ان کی وفات کے بعد ان کے فن کی قدر نہیں کی گئی۔ حکومت نے کوئی ایسی پالیسی نہیں بنائی جو ان

شخصیات کے مسائل کا ازالہ کر سکے۔ جوشؔ ملیح آبادی، حبیب جالبؔ، منیرؔ نیازی، ملکہ ترنم نور جہان، شاکر علی اور بہت سے ایسے ناموں میں صادقین کا نام بھی توجہ طلب ہے۔ جن کی وفات کے بعد ان کی پینٹنگ فروخت ہونے لگ گئی اور رشتہ داروں نے بھی خوب پیسے کمائے اور اداروں میں آویزاں پینٹنگز افسروں کے گھروں میں منتقل ہوئیں اور بیرونِ ملک فروخت ہوتی رہی۔

مصنفہ نے "مصور صادقین کے ساتھ کیا ہو رہا ہے"، "لاعلمی میں ہندوستان، پاکستان ایک ہیں"، "شاہ لطیف کو آج کی سسی اور ماروی ڈھونڈتی ہے"، "اسلام آباد کے کسی سیکٹر میں لائبریری نہیں!"، "پاکستان کے ستر برس سوال کرتے ہیں"، "مسٹر بکس والا یوسف، کتاب دوست چلا گیا"، "قلعہ فراموشی سے باہر آئی ہوئی عورت"، "کیا انقلاب اس طرح آتا ہے"، "زینب کا نوحہ"، "آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے"، "سیکولر انڈیا اور پاکستان"، "پاکستان میں مکالمہ کہیں گم ہو گیا"، "اٹلی میں اردو شاعری کا تذکرہ"، "بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد" اور "خیر ہو تیری لیلاؤں کی" ان عنوانات کے تحت بہت عمدہ کالم تحریر کیے، جن کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

> "صادقین کی وفات کے بعد، جن لوگوں نے ان سے تصویریں بنوائی تھیں، ان کو اعلیٰ قیمت پر فروخت کرنے کے لیے، اپنے بلوں سے نکل کر آرٹ گیلریوں کا رخ کیا۔ اس میں ضرورت مند یا امیر کبیر کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ البتہ یہ چیک کر لیتے تھے کہ یہ اصل ہے کہ کاپی، کہ ان کا شاگرد ایک مدت تک، ان کی نقل، اصل کے برابر بنا کر بیچتا رہا۔ جب یہ منظر دیکھا تو صادقین کے رشتہ دار پیسہ کمانے کے لیے سامنے آ گئے۔ ویسے وہ پہلے بھی صادقین کے لیے آرٹ گیلری بنانے کو جو زمین ملی تھی، اس پر ایک مدت تک شادی ہال بنا کر زر کثیر جمع کرتے رہے۔[20]"
>
> "میں آج جب گوادر کے ساحل پر مچھلیوں کو صاف کرنے والی عورتوں کے ہاتھ دیکھتی ہوں تو ان کے ہاتھوں کے ناخن بھی مچھلیاں صاف کرتے کرتے ختم ہو گئے تھے۔ سمہ سلطان مچھیرن پر کوئی جام تماچی عاشق نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے تو آج کے خود ساختہ سردار ان کو غیرت کے نام پر قتل کر دیتے ہیں۔ آج کے زمانے میں بہت سی مارویوں کو بہت سے عمر نامی، سومرو بادشاہ زبردستی اغوا کرتے ہی نہیں، ان کو برہنہ کر کے پورے گاؤں میں پھرواتے ہیں۔ شکر ہے شاہ سائیں! آپ اس زمانے میں نہیں، آپ کی تحریروں اور شاعری کی ہیروئن تو باقاعدہ شہزادیاں تھیں جو طلسمی محل بھی بنوا لیتی تھیں۔ آپ کے زمانے کی ماروی تو اپنے میکے کی دی ہوئی میلی کملی اپنے سر سے نہیں اتارتی۔"[21]

اس کتاب کا مطالعہ قاری کی ذہنی تربیت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور پاکستان کے شب و روز کی داستان سناتا ہے جسے مصنفہ نے ہزار داستان کا نام دیا ہے۔ مصنفہ کے کالموں میں پاکستان کی ادبی و سیاسی تاریخ درج ہے جو قاری کے لیے مفید معلومات کے ساتھ ماضی کے گم گشتہ واقعات کی حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یقیناً مصنفہ کے کالموں میں تہہ داری کی نوعیت مصنفہ کو دیگر کالم نگاروں سے ممتاز کرتی ہے اور ادبی و سیاسی کالم نگاری میں کشور ناہید کو روشن خیال اور باشعور تخلیق کاروں میں کی صف میں اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔

بند دروازوں کی چیخیں

کشور ناہید کے کالموں کا ساتواں مجموعہ بند دروازوں کی چیخیں 2021 میں سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس کتاب کا انتساب اندو مٹھا اور شعیب سلطان خاں کے نام ہے۔ مہر افروز نے سرورق پینٹنگ تیار کی ہے۔ اُنسٹھ کالموں پر مشتمل یہ مختصر سی کتاب ایک سو چوراسی صفحات کی ضخامت رکھتی ہے۔ مصنفہ کا زیر مطالعہ مجموعہ ان کالموں پر مبنی ہے جو انہوں نے زیادہ تر کورونا وبا کے دوران تحریر کیے۔ کورونا وبا 2019 کے آخر میں چائنہ سے پھیلنا شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ اس وبا نے پوری دنیا کو اپنی تباہ کاریوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ ملکوں کا آپس میں زمینی اور

آسمانی رابطہ منقطع ہو گیا۔ تجارت رک گئی، اموات کی خبریں میڈیا چینلوں کا حصہ بننا شروع ہو گئیں۔ دنیا بھر کے ایئرپورٹس بند ہو گئے۔ وبا کے دنوں میں پبلک مقامات، ایئرپورٹس، بازاروں اور ہوٹلوں میں ایس اوپیز کا اطلاق لازمی قرار دیا گیا۔ انڈیا، پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک میں ایس اوپیز پر عمل درآمد نہ کرنے کے جرم میں سرعام سزائیں دی گئی اور ان کی ویڈیوز وائرل کی گئیں تاکہ لوگ اس موذی مرض کو سنجیدگی سے لیں۔ اپنی اور اپنے ساتھ رہنے والوں کی زندگیوں کو محفوظ بنائیں۔ پاکستان میں مارچ کے مہینے سے لاک ڈاؤن کا نفاذ عمل میں لایا گیا تو وطنِ عزیز میں رہنے والا ہر ذی روح اس وبا کے مضمرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں سبھی کو سماجی فاصلہ رکھنے کی ہدایت کی گئی جس سے ملک بھر میں خوف کی فضا طاری ہو گئی۔ کورونا وبا کے دوران نئے الفاظ سے دنیا بھر کے لوگ متعارف ہوئے۔ متعدد کمپنیوں نے ماسک اور سینیٹائزر تیار کر کے منافع کمایا۔ اس وبا سے لقمہ اجل بننے والوں کی تعداد ہر ملک میں آئے روز بڑھنے لگی۔ خوف اور سراسیمگی کے عالم میں جہاں تمام طبقات کے لوگ متاثر ہوئے وہیں معاشرے کے حساس ترین افراد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

مصنفہ نے "ہوئے ہم جو شعر پڑھ کے رسوا"، "مردانگی کا زوال"، "میری مادرِ وطن پر جھریاں پڑ گئی ہیں"، "عطیات کہاں اور کیسے خرچ ہوتے ہیں"، "آتے ہیں نیب سے یہ مضامین"، "ڈیم کب بنے گا؟"، "سرکار کا عملی ڈھانچہ کہاں ہے" اور "کرونا—خود کلامی کا مہینہ" عمدہ کالموں میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> کرونا اور "لوک ڈاؤن کے باعث یہ ایک خوش خبری بھی ہے کہ چونکہ سڑکوں پر سلنسر پھٹے موٹر سائیکل اور بسیں، لامحدود گاڑیاں اور رکشے نہیں ہیں۔ اس لئے دنیا بھر میں فضا آلودہ نظر نہیں آرہی اور آسمان کی نیلاہٹ بھی شاید زندگی میں پہلی دفعہ دیکھ رہے ہیں۔ ایک اور منزل جس سے ساری دنیا بیزار ہو گئی ہے، گھر کے سارے افراد، ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر تھک چکے ہیں اور مسکراہٹ تو پہلے دن ہی کرونا بھیج کر رخصت ہو گئی۔"[22]

مصنفہ خود کورونا وبا کا شکار ہوئیں، تاہم انہوں نے جلد اس موذی بیماری پر قابو پالیا۔ دنیا بھر کی معیشتیں تباہ حالی کا شکار ہو گئیں۔ وطنِ عزیز پاکستان میں بھی مہنگائی کا طوفان برپا رہا۔ ایسے حالات میں جہاں مارکیٹیں بند ہو اور مخصوص اوقات میں انہیں کھولا جاتا ہے، ٹرانسپورٹ میں سماجی فاصلے کی یقین دہانی کے لیے ڈبل کرایہ لے کر ایک سیٹ چھوڑ کر مسافروں کو بٹھایا جاتا ہو، باہر سے گھر آنے والے سامان اور افراد کو مکمل سینیٹائزر سے سپرے کیا جاتا ہو، تعلیمی ادارے بند ہوں، ایسے حالات میں انسان کی ذہنی ساخت متاثر ہوئے بغیر نہیں رک سکتی۔ بفضلِ خدا اس وبا سے جلد ہی چھٹکارا میسر ہوا تاہم، ابھی بھی اس وبا کے مریضوں کی خبریں گردش کرتی رہتی ہیں، اموات میں واضح کمی دیکھنے کو ملی ہے۔

کشور ناہید کے کالم مظلوم انسانیت کے حقوق کی بازیافت کا درس دیتے ہیں۔ یوکرین اور روس کی جنگ کے بعد ایران اور اسرائیل کی کشیدگی نے تیسری عالمی جنگ کی راہ ہموار کر دی ہے۔ اکیسویں صدی کا انسان ایٹمی جنگ کے خوف میں مبتلا ہے۔ فلسطینی عوام بھی کشمیری مسلمانوں کی طرح ظلم و استبداد کا آج بھی شکار ہیں۔۔ انڈیا پاکستان کی دوستی کی خواہش مند کشور ناہید نے دونوں ممالک کے درران جنگ کے امکانات کے دن بھی گزارے۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی مسلمان مخالف پالیسیوں کو مصنفہ شدید طنز کا نشانہ بناتی ہے۔ اسرائیلی مظالم کے خلاف عرصہ دراز سے کشور کا قلم مظلوم فلسطینوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرتا رہا ہے، تاہم اسرائیل کی فلسطینیوں پر مظالم سے مصنفہ رنجیدہ ہو جاتی ہیں۔ کشور ناہید نے فلسطین کی انقلابی لیڈر لیلیٰ خالد کی آپ بیتی Our People shall live کا ترجمہ "ہمارے لوگ زندہ رہیں گے" کے عنوان سے کیا ہے۔ لیلیٰ خالد کی آپ بیتی کا ترجمہ مکتبۂ عالیہ، لاہور سے 1982 میں پہلی بار منظرِ عام پر آیا۔ اس ترجمے سے کشور ناہید کی دنیا بھر میں پسے ہوئے

طبقات کے حق میں آواز بلند کرنے کی جدوجہد کا اندازہ ان کی نگارشات کے عنوانات اور افکار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ کشور ناہید عالمی حالات کے بارے اپنے کالم "سامراجیت اور غلامانہ ذہنیت کو ختم کریں" مطبوعہ روزنامہ جنگ 30 مئی 2025 میں لکھتی ہیں:

> "ٹرمپ صاحب جانتے ہیں کہ نتن یاہو، صلح نامے کو نہیں مان رہا۔ دو ماہ بعد سینکڑوں کھانے کے ٹرک غزہ میں داخل نہیں ہونے دے رہا۔ ٹرمپ کو یوکرین کا مسئلہ حل کرنا بہت یاد ہے۔ فلسطینیوں کا تو انہوں نے ایک دفعہ بھی نام نہیں لیا البتہ کشمیر کے مسئلے پر بھی منہ زبانی سو سال پرانی باتیں دوہرائی جارہی ہیں اور جو بھارتی میڈیا والے، ساری دنیا کو دکھا رہے تھے کہ لاہور فال ہوگیا۔ اسلام آباد فال ہوگیا، کراچی فال ہوگیا، ایسے دروغ لوگوں کو کیا سزائیں دی گئیں کہ ابھی تک انڈین میڈیا سچ بولنے، سچ سنانے اور سچ دکھانے کو تیار نہیں ہے۔"[23]

کشور ناہید زندگی کی پچاسی بہاریں دیکھ چکی ہیں۔ مصنفہ پاکستان کے دارالحکومت، اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ عمر کے اس حصے میں گاڑی چلا کر دفتر آنا مصنفہ کا معمول ہے۔ حوّا کرافٹ کے دفتر میں ملک بھر کی خواتین کے تیار شدہ ملبوسات کی ملکی و غیر ملکی سطح پر مارکیٹنگ کرکے انہیں آسان روزگار فراہم کرنے میں کردار ادا کر رہی ہیں۔ کشور ناہید کے کالموں میں پاکستان کی ادبی و سیاسی تاریخ کے علاوہ جملہ فنونِ لطیفہ سے وابستہ فن کار اور فن کے نمونوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یقیناً مصنفہ کے کالم دیگر ادبی نگارشات کی طرح قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ روشن خیال اور خرد افروز ادیبوں کی فہرست میں کشور ناہید کا منفرد مقام و مرتبہ رہے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. شاہین مفتی، ڈاکٹر، کشور ناہید: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اشاعت دوم، 2019، ص:92
2. کشور ناہید، دُکانِ متاعِ ہُنر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1999، ص:11
3. ایضاً، ص:15
4. کشور ناہید، ورق ورق آئینہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006، ص:35-36
5. ایضاً، ص:41
6. ایضاً، ص:399
7. کشور ناہید، زخم برداشتہ: پاکستان کہانی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010، ص:11
8. ایضاً، ص:15
9. ایضاً، ص:19
10. ایضاً، ص:138
11. فاروق قیصر، "کشورِ حسین شاد باد" مشمولہ گمشدہ یادوں کی واپسی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2015، ص:9
12. کشور ناہید، گمشدہ یادوں کی واپسی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2015، ص:25
13. ایضاً، ص:44
14. ایضاً، ص:214
15. ایضاً، ص:216
16. کشور ناہید، گستاخی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2017، ص:7

17. ایضاً، ص:100
18. ایضاً، ص:121
19. ایضاً، ص:212
20. کشور ناہید، ہزار داستان، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2019، ص:11
21. ایضاً، ص:24
22. کشور ناہید، بند دروازوں کی چیخیں سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2021، ص:176
23. https://e.jang.com.pk/detail/904835

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Shaheen Mufti, Dr, Kishwar Naheed Shakhsiat aur Fun, Islamabad, Pakistan Academy of Letters, 2nd Edition 2019, P: 92.
2. Kishwar Naheed, Dukan e Mata o Hunar, Islamabad, Dost Publications, 1999, P:11
3. Ibid, P: 15
4. Kishwar Naheed, Varq varq aaina, Lahore: Sang e Meel Publications, 2001, P: 35,36
5. Ibid, P: 41
6. Ibid, P: 399
7. Kishwar Naheed, Zakhm Bardashta: Pakistan Kahani, Lahore: Sang e Meel Publication, 2010, P: 11
8. Ibid, P: 15
9. Ibid, P: 19
10. Ibid, P: 138
11. Farooq Qaiser, “Kishwar Haseen shad baad”, mashmoola Gumshuda yadoun ki wapsi, Lahore: Sangemeel publications, 2015, P: 9
12. Kishwar Naheed, Gumshuda Yadoun ki wapsi, Lahore: Sangemeel Publication, 2015, P: 25
13. Ibid, P: 44
14. Ibid, P: 214
15. Ibid, P: 216
16. Kishwar Naheed, Gustakhi, Lahore: Sang e Meel Publications, 2017, P: 7
17. Ibid, P: 100
18. Ibid, P: 121
19. IBID, P: 212
20. Kishwar Naheed, Hazar dastan, Lahore: Sang e Meel Publications, 2019, P: 11
21. Ibid, P: 24
22. Kishwar Naheed, Band Darwazoun ki chekheen, Lahore: Sang e Meel Publications, 2021, P: 176
23. Kishwar Naheed, “Samarajiyat aur Ghulamana Zehneyat ko khatam karen”, Matbooa Roznama Jang newspaper, May 30, 2025, P: 6